Chapter - 4

باب چهارم

صحافتی نظریات

۱۔ مولانا آزاد کا صحافتی دور

۲۔ مولانا آزاد اور صحافت

۳۔ صحافتی نظریہ

باب چہارم

صحافتی نظریات

مولانا آزادؔ کا صحافتی دور:

مولانا آزادؔ کے صحافتی ادوار کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ان کی صحافت کا پہلا دور ۱۹۰۱ء سے شروع ہو کر ۱۹۰۸ پر ختم ہوتا ہے۔یہ دور مولانا کی بلوغت سے پہلے کا دور ہے جب وہ اپنے عمر کی ابتدائی منزلوں میں تھے۔اس دور کو ان کے ابتدائی تجربہ و مشق کا دور بھی کہا جاسکتا ہے۔

۱۸۹۹ء میں مولانا آزادؔ نے صرف گیارہ سال کی عمر میں" نیرنگ عالم" نامی گلدستہ جاری کیا جس میں شعراً کا کلام چھپتا تھا۔یہ رسالہ بہت جلد بند ہو گیااور انہوں نے شاعری کو خیر باد کہہ کر نثری دنیا میں قدم رکھ دیا کیونکہ صحافت ان کی فطرت سے مطابقت رکھتی تھی۔

۱۹۰۴ء میں عید کے موقع پر مولانا آزادؔ ایک ادبی رسالہ "المصباح" جاری کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ان کا یہ پہلا ادبی رسالہ تھا جس میں انہوں نے اپنے مضمون "عید" کے ساتھ علمی، تاریخی اور سوانحی مضامین کو شمولیت دی۔ان کا مضمون "عید" بہت مقبول ہوا جسے کئی اخبارات و رسائل میں نقل کیا گیا۔ ان کی ادارت میں یہ پہلا ادبی ماہنامہ تھا جس نے نثر نگار کی حیثیت سے انھیں ایک محدود اردو داں طبقے سے متعارف کرایا تھا۔

مولانا آزادؔ اس ماہنامے سے بحیثیت صحافی و نثر نگار، لوگوں کے سامنے آئے۔چنانچہ یہیں سے ان کی صحافت کا پہلا دور شروع ہوتا ہے۔" المصباح " کی کامیابی اور ہر دلعزیزی سے مولانا کی طبیعت خوشی سے سرشار ہو گئی اور ان کے حوصلوں میں مزید پختگی آگئی جس کا اعتراف انہوں نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

" سب سے بڑا بلند مقام جو کسی انسان کے لئے ہو سکتا تھا، یہ نظر آتا تھا کہ مضامین لکھے جائیں اور وہ ہمارے نام سے شائع ہوں۔ اس کے بعد اس سے بلند تر مقام یہ تھا کہ کسی اخبار یا

رسالے کے ایڈیٹر ہوں" (۱)

المصباح کے تین چار شمارے ہی شائع ہوئے تھے کہ وہ بند ہوگیا لیکن مولانا کا حوصلہ بر قرار رہا۔وہ برابر مضامین لکھتے رہے جو" احسن الاخبار" اور مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے۔" احسن الا خبار "کے مالک سید احمد حسن صاحب مولانا آزاد کی صلاحیتوں سے واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے بیشتر ادارتی امور کی ذمۂ داری مولانا کے سپرد کر دی تھی۔ مولانا نے اس موقع سے بھر پور استفادہ کیا۔ یہاں انھیں غیر ملکی عربی اخبارات و رسائل دیکھنے اور پڑھنے کا موقع ملا جس کی وجہ سے انھیں اسلامی تعلیمات سے نہ صرف دلچسپی پیدا ہوئی بلکہ انھوں نے کئی اہم تحریروں کے تراجم بھی کئے اور مضامین کی شکل میں انھیں شائع بھی کئے۔

احسن الاخبار میں مولانا آزاد کا ایک مضمون " اسلام اور محرم " کے موضوع پر شائع ہوا تھا جس کی وجہ سے بڑا ہنگا مہ کھڑا ہوگیا تھا اور اس مضمون پر طرح طرح کے اعتراضات بھی ہوئے تھے لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی۔رفتہ رفتہ ان میں آزادانہ طور پر اپنی رائے ظاہر کرنے کا حوصلہ اور اعتماد پیدا ہونے لگا۔اس زمانے میں حکیم محمد علی کی ادارت میں ہر دوئی سے نکلنے والے اخبار " مرقع عالم " میں انھوں نے کئی مضامین لکھے۔لاہور کے معیاری رسالہ " مخزن" میں انھوں نے فن اخبار نویسی پر جو مضامین لکھے اس نے اہل نظر کی توجہ کو مولانا آزاد کی طرف مرکوز کردیا۔ فن اخبار نویسی کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں۔

" یورپ اور امریکہ۔ نے جو آج کل حیرت انگیز ترقی کی ہے اور علوم وفنون ، تہذیب و شائستگی میں ان کا آج جو طوطی بول رہا ہے، ان میں مجملہ اور اسباب ترقی کے ایک سب سے بڑا سبب اخبار دیکھنا ہے۔۔۔اخبار در اصل زندہ ہادی ہے جو ہر قسم کی باتوں کی ہدایت کرتا ہے"(۲)

اتنی کم عمر میں مولانا آزاد کی اس قسم کی بصیرت افروز باتوں نے لوگوں کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا تھا۔

اسی زمانے میں لکھنؤ سے منشی نوبت رائے نظر کا " خدنگ نظر " رسالہ بھی نکل رہا تھا۔" مخزن "میں شائع شدہ مولانا آزاد کے مضامین سے متاثر ہوکر منشی نوبت رائے نے خدنگ نظر

---

(۱) کمال ابو الکلام آزاد ۔ علی جواد زیدی (ص۔ ۹۸)

(۲) ایوان اردو ۔ دہلی (مولانا ابو لکلام آزاد نمبر) دسمبر ۱۹۸۸ء آزاد وادیٔ صحافت میں ۔ عبدالقوی دسنوی (ص۔۴۵)

میں حصہ نثر کی ترتیب کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی تھی۔اسی زمانے میں وہ کچھ دنوں تک شاہ جہاں پور سے شائع ہونے والے ہفتہ وار ''ایڈورڈگزٹ'' سے بھی منسلک رہے۔ یہ وہ دور تھا جب وہ اردو صحافت میں اپنی شناخت قائم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔اس عمر میں ان کا یہ کارنامہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ ارباب علم و فضل کی نظریں ان کی طرف اٹھنے لگی تھی او روہ انھیں سن رسیدہ تجربہ کار صحافی سمجھنے لگے تھے۔

اس زمانے میں مولانا آزاد کی فکرو نظر میں نمایاں تبدیلی رونما ہونے لگی تھی۔علم وعمل کی راہیں پہلے ہی متعین ہو چکی تھیں۔ آزادی اور اصلاح معاشرت کا جذبہ تو ابتدا ہی سے ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔سر سید احمد خان کے جدید افکار،جمال الدین افغانی کی تحریک آزادی اور تقسیم بنگال کے انقلابیوں سے ان کی ملاقات کے تاثر نے مولانا کی صحافت کا رخ موڑ دیا ۔چونکہ وہ مضبوط عزائم اور بلند حوصلہ رکھنے والے نوجوان تھے اس لئے انھوں نے ۱۹۰۳ء ''لسان الصدق'' رسالہ خوداپنی ادارت میں جاری کیا اور اپنی مخصوص صلاحیتوں کے ذریعے علمی وادبی دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام بنالیا۔ انھوں نے لسان الصدق کے پہلے ہی شمارے میں اردو زبان و ادب کی ترقی سے متعلق چار مقاصد بیان کئے جو انھی کی زبان میں یہ تھے۔

''محڈن ایجوکیشن کانفرنس کے لٹریری سیکشن کا انجمن ترقی اردو قائم کرنا واقعی ہمیں امید دلا رہا ہے کہ اس انجمن کی بدولت یہ تمام ضرورتیں رفع ہوجائیں گی اور ہم ایک دن اپنی قومی زبان کو علمی زبانوں کی ہمسری کرتے ہوئے دیکھیں گے۔لسان الصدق کا دوسرا مقصد ''ترقی اردو''اسی انجمن سے متعلق ہے۔یہ ان تمام وسائل کو عمل میں لائے گا جو ترقی اردو کے لئے انجمن قرار دے گی۔بالخصوص بنگالہ میں انجمن کے مقاصد کی اشاعت اور بنگالہ کی اہل قلم جماعت کو اس پر متوجہ کرنا ''لسان الصدق''کااہم فرض ہے'' (۳)

مذکورہ مقاصد میں سے تین کا تعلق اردو زبان و ادب کی ترقی اور ایک کا تعلق اصلاح معاشرت سے تھا۔اس رسالے کے پہلے شمارے کے ابتدائی نصف حصے پر مولانا نے یہ عبارت لکھی تھی ''الصدق نیجی والکذب یھلك ''لسان الصدق کا دستوالعمل ہے۔ اس کا فرض ہے کہ یہ قوم کو کذب سے بچائے اور راستی پر لائے۔۔۔یہ ہمیشہ تم کو کڑوی کسیلی باتیں سنائے گا جو اگرچہ

(۳) اردو کی ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ۔ ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری (ص۔۵۵)

تمھیں ناگوار معلوم ہوں گی لیکن اس زمانے کو دور نہ سمجھو جبکہ صدق کانیجی ہونا اور کذب کامہلک ہونا تم پر ظاہر ہوجائے گا۔"(۴)

مولانا آزاد کی اس تلخ حقیقت گوئی نے ہندوستان بھر کے اہل نظر کے دلوں میں اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا دیا۔ملک کے تمام اہم اخبارات و رسائل میں "لسان الصدق" کے تعریفی تبصرے شائع ہوئے۔ہندوستان کے مسلمانوں کا مشہور ادارہ انجمن حمایت الاسلام اور اس کے اراکین بھی ان کی عملی وادبی صلاحیتوں سے بے حد متاثر ہوئے۔عبدالقوی دسنوی مولانا آزاد کی صحافتی خوبیوں کو سراہتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

"اردو ہی نہیں میرا خیال ہے شاید ہی ہندوستان کی کسی زبان میں ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی جیسا کم عمر صحافی پیدا ہوا ہو جس نے اس راہ کی پہلی منزل میں قدم رکھتے ہی اپنی فکری بلندی ،اپنی ادبی صلاحیت ،اپنے مذہبی رجحانات ،اپنے قومی خیالات،اپنے تعلیمی نظریات،اپنے اصلاحی پروگرام ،اپنے اردو زبان کی خدمات کے جذبے، اپنے تنقیدی شعور ،اپنے روشن خیال اور صالح جذبات سے سارے ہندوستانی مسلمانوں کے اہل نظر ،اہل خیر ،اہل کمال ،اہل ادب اور قومی خدمت گذاروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور سب کو یہ باور کرا دیا تھا کہ وہ ایک معمر تجربہ کار ،باصلاحیت ،باوقار صحافی اور ملک و ملت کی رہنمائی کی بہت اچھی صلاحیت کے مالک بھی ہیں"(۵)

"لسان الصدق "نے مولانا آزاد کی شہرت میں چارچاند لگا دئے اور انھیں حیرت انگیزصلاحیت رکھنے والے مدیر اور صحافی کی حیثیت سے ہندوستان کے سامنے پیش کیا۔"لسان الصدق" کی وجہ سے ان کی شہرت کافی بڑھ گئی تھی جس کی وجہ سے انھیں ہمیشہ سفر درپیش تھا۔ چنانچہ مسلسل رکاوٹوں کی وجہ سے ۱۹۰۵ء میں یہ رسالہ بند ہو گیا۔

اسی زمانہ میں مولانا آزاد کی ملاقات علامہ شبلی ،مولاناحالی اور وحید الدین سلیم وغیرہ سے ہوئی تھی اور ان کی حیرت انگیز صلاحیت و شہرت نے ان بزرگوں کو انگشت بہ دنداں کر دیا تھا۔علامہ شبلی مولانا آزاد کے خیالات و نظریات سے بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے اپنے اخبار

---

(۴) ایوان اردو ۔ دہلی (مولانا ابو الکلام آزاد نمبر) دسمبر ۱۹۸۸ء آزادوادی صحافت میں ۔ عبد القوی دسنوی (ص۔۴۶)

(۵) تلاش آزاد ۔ عبد القوی دسنوی (ص۔۷۱)

"الندوہ" کی ادارت میں مولانا کو شرکت کی دعوت دی۔اس طرح انہیں ہندوستان گیر شہرت رکھنے والے جیدّ عالم و ادیب علامہ شبلیؒ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا جسے ان کے غیر معمولی علم و فضل کا بیّن ثبوت کہا جا سکتا ہے ۔اس دوران مولانا آزاد ندوے ہی میں رہے۔وہاں انہیں خواص طبقوں سے واسطہ پڑا۔انھوں نے وہاں علماؤں اور سینکڑوں مدعیان علم و فضل کے درمیان ایسی جامع تقریر کی کہ ان کی خطیبانہ شہرت ملک میں چاروں طرف پھیل گئی۔

۱۹۰۶ء میں مولانا آزاد "الندوہ" سے کسی وجہ سے الگ ہو گئے اور "وکیل" امرتسر سے منسلک ہوگئے ۔اس اخبار میں انھوں نے کافی دنوں تک کام کیا اور ادارت کے فرائض بھی انجام دئے۔"وکیل" کی اہمیت واضح کرتے ہوئے مولانا خود فرماتے ہیں ۔

"وکیل اس وقت تک تمام اردو اخبارات میں سب سے زیادہ معتبر ، سنجیدہ اور قومی معاملے میں صاحب رائے و نظر تسلیم کیا جاتا تھا۔۔۔ہمیشہ آزادانہ رائیں اسی کے صفحات پر نکلیں۔"(۶)

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ "وکیل" مولانا آزاد کے آزاد ذہن سے مطابقت رکھتا تھا۔ چنانچہ انھیں "وکیل" میں خوب آزادی سے کھل کر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملا ۔اسی زمانے میں ان کے بڑے بھائی غلام یسین آہ کا انتقال ہو گیااور انھیں کلکتہ جانا پڑا ۔ان کے والد نے ان سے اپنے آبائی کام کو سنبھالنے کے لئے کہا لیکن پیری مریدی سے مولانا کا مزاج میل نہیں کھاتا تھا ۔انھوں نے کلکتے میں اپنے دوستوں کے اصرار پر "دارالسلطنت" رسالہ دوبارہ جاری کیا لیکن مالک اخبار کی بے جا مداخلت سے وہ بہت جلد اس سے الگ ہو کر امرتسر چلے گئے ۔وہاں انھوں نے ۱۹۰۷ء سے ۱۹۰۸ء تک "وکیل" میں مدیر کی حیثیت سے کام کیا ۔اس زمانے میں ان کی صحت خراب رہنے لگی اور اپنی طبیعت کی علالت کی وجہ سے وہ کچھ دنوں کے لئے وادیٔ صحافت سے دور ہو گئے ۔

اس طرح مولانا آزاد کا صحافتی دور جو ۱۹۰۱ ء میں "المصباح" سے شروع ہوا تھا وہ ۱۹۰۸ء میں "وکیل" کی ادارت پر اختتام پذیر ہوا ۔اس دور اول میں انھوں نے خود بھی اخبار و رسائل جاری کئے اور دوسرے مالکوں کے اخباروں میں بھی مدیر اور نائب مدیر کر حیثیت سے کام کیا۔غرضیکہ وہ اس دور میں صحافت کی دنیا کے سبھی اسرار و رموز اور نشیب و فراز سے واقف ہو

---

(۶) مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم ۔مولانا آزاد کا صحافتی سفر ۔ علی جو ادزیدی (ص۔۴۰۷)

چکے تھے اور ان کے خیالات و افکار میں مزید پختگی آچکی تھی۔

مولانا آزاد کی صحافت کا دور ثانی بالخصوص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس زمانے میں انہوں نے مصر کا دورہ کیا تھا۔ وہاں انہیں جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کی تحریک آزادی کے افکار و خیالات کو سمجھنے کا موقع میسر آیا تھا۔لہٰذا وہ اس تاثر کو اپنے سینے میں دبائے ہندوستان آئے اور باضابطہ طور پر عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ یہ دور ہندوستانی سیاست کے انتشار کا دور تھا۔حکومت نئے نئے حربے استعمال کر رہی تھی۔ اسکے مظالم اپنی انتہا کو پہنچ چکے تھے اور ہندوستانی عوام ذہنی و روحانی کرب سے کراہ رہی تھی۔اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا پس منظر کم و بیش وہی تھا جس کا نقشہ سر سید احمد خان نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد بنایا تھا۔ایسے حوصلہ شکن اور صبر شکن دور میں مولانا آزاد نے اپنے سیاسی پیغام عوام تک پہنچانے کے لئے "الہلال" کے نام سے ایسا معتبر رسالہ نکالا جس نے ہندوستانی سیاست میں تہلکہ برپا کر دیا اور ہندوستانی معاشرے میں ان کی شہرت کی دھوم مچا دی۔اس سلسلے میں ضیاء الحسن فاروقی لکھتے ہیں۔

"مولانا ابوالکلام آزاد کا "الہلال" جب نکلا تو مسلم یو نیور سٹی تحریک شروع ہوچکی تھی۔چنانچہ الہلال نے روز اوّل ہی سے اس تحریک کے متعلق لکھنا شروع کر دیا تھا۔"(۷)

مولانا آزاد نے "الہلال" کے ذریعے قدامت پرستی کے خلاف ایسے افکار و خیالات کی اشاعت کی جس نے علی گڑھ کی مخالف قومیت کے روایات کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا اور سیاسی قیادت بہت جلد اس کے دائرے سے باہر نکل گئی۔انہوں نے "الہلال" سے ملک و ملت کی فلاح و بہبود کا کام لیا۔وہ اس رسالے کے ذریعے قومی و ملی اور سیاسی بیداری پیدا کرنا چاہتے تھے اور قوم کے جمود و تعطّل کو توڑ کر ان کے دلوں میں حیات پرور حوصلوں کی آگ بھر دینا چاہتے تھے۔"الہلال" کے پہلے شمارے ہی میں مولانا آزاد نے کہا۔

" آہ کاش! مجھے وہ صور قیامت ملتا جس کو لے کر میں پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر چڑھ جاتا۔ اس ایک صدائے رعد عصائے غفلت شکن سے سرگشتگان خواب ذلت و رسوائی کو بیدار کرتا اور چیخ چیخ کر پکار تا کہ اٹھو!کیوں کہ بہت سو چکے ہو اور بیدار ہو کیوں کہ تمہارا خدا تمہیں بیدار

(۷) جامعہ (ماہنامہ) دہلی۔ اپریل ۱۹۷۶ء (ص۔۱۰۲)

کرنا چاہتا ہے اور تمہیں موت کی جگہ حیات، زوال کی جگہ عروج اور ذلت کی جگہ عزت بخشنا چاہتا ہے۔" (۸)

مولانا آزاد نے خالص مذہبی رنگ میں عوام کے سیاسی شعور کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور اپنے خطیبانہ رنگ و آہنگ سے عوام کے ذہنوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

" الہلال" میں مولانا نے قارئین کے ذوق صحیح کو تسکین پہنچانے کے لئے سیاسی اور مذہبی واقعات کے علاوہ معاشیات، نفسیات، تاریخ، جغرافیہ، عمرانیات، سوانح، ادب اور حالات حاضرہ پر بھی تبصرے کئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الہلال ہاتھوں ہاتھ لایا گیا اور پورے ملک میں اسے زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ ابو سلمان شاہ جہاں پوری اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں۔

" الہلال " کلکتہ مولانا کی ہمہ جہت خدمات کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ الہلال کے ذریعے سے مولانا نے زبان و ادب، علوم و فنون اور ملک و ملت کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں ان کا اعتراف ہر صاحب علم اور اہل نظر نے کیا ہے۔" (۹)

مولانا آزاد نے الہلال کے ذریعے سیاسی بیداری، حب الوطنی اور قومیت کے احساس کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور قومی یکجہتی کی مثال قائم کردی۔ الہلال کی تحریک اور اس کے نتائج کا ذکر کرتے ہوئے وہ خود لکھتے ہیں۔

" الہلال نے تین سال کے اندر مسلمانان ہند کی مذہبی اور سیاسی حالت میں ایک بالکل نئی حرکت پیدا کر دی ــــ اس سے وہ تبدیلیاں رونما ہوئیں، جن کا نتیجہ آج متحدہ تحریک خلافت و سوراج ہے"(۱۰)

"الہلال" کی تحریروں نے برطانوی سامراج کے خلاف سم قاتل کا کام کیا۔ چنانچہ فرنگی حکومت مولانا کی زبان خاموش کرنے کے در پے ہوگئی۔ انہیں کئی مرتبہ اپنی آتش بیان تحریروں کی وجہ سے گرفتار کیا گیا۔ ضمانت پر ضمانت ضبط کی گئی اور وہ ہمیشہ پولیس کی نظر میں زندگی گزارتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ الہلال بند ہوگیا۔ " الہلال " بند ہوجانے پر بھی مولانا آزاد کے حوصلے پست نہیں ہوئے بلکہ ان میں مزید پختگی آگئی۔ بقول غالب۔

---

(۸) مولانا آزاد کا نظریۂ صحافت۔ مرتبہ منشی قطب اللہ (ص۔ ۲۰)
(۹) اردو کی ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ۔ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہاں پوری (ص۱۰۱)
(۱۰) آثار ابو الکلام (ایک نفسیاتی مطالعہ) قاضی محمد عبد الغفار (ص۔۴۲)

"رکتی ہے مری طبع، تو ہوتی ہے رواں اور"

چنانچہ انہوں نے ۱۲، نومبر ۱۹۱۵ء کو "البلاغ" جاری کیا۔ "البلاغ" کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں مولانا آزاد کو علامہ اقبال سے عقیدت ہوگئی تھی کیونکہ "البلاغ" میں انہوں نے براہ راست مسلمانوں سے خطاب کر کے مذہبی تبلیغ کی۔ محمود الحسن صدیقی مضامین البلاغ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ رسالہ بھی اپنی سحر نگاری اور انقلاب آفرینی میں الہلال سے کم نہ تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ، ایک ایک جملے اور ایک ایک سطر نے دلوں پر تیر و نشتر کا کام کیا اور قوم کے جسد بے جان میں نئی زندگی پیدا کر دی" (۱۱)

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا آزاد نے علامہ اقبال کی طرح مسلمانوں کے ذہن و دماغ کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دعوت غور و فکر دی اور اسلام کے حقیقی مفہوم کو واضح کیا۔ البلاغ کی اشاعت مولانا کی سیاسی مصروفیات کی وجہ سے بے ترتیب ہوگئی تھی۔ بالآخر ۱۹۱۶ء کو البلاغ بند ہوگیا۔

"البلاغ" کے بعد مولانا آزاد نے عبدالرزاق ملیح آبادی کے "پیغام" کے ذریعے صحافتی خدمات انجام دیں۔ یہ اخبار بھی عوام میں بہت مقبول ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان کی سیاسی زندگی بڑے پر آشوب دور سے گزر رہی تھی۔ اس دور میں ہندوستانی معاشرہ کسی حد تک سیاسی شعور اور سماجی مطالبات سے آشنا ہو چکا تھا۔ عبدالرزاق ملیح آبادی کی گرفتاری کی وجہ سے یہ اخبار بھی جلد ہی بند ہوگیا۔

۱۹۲۳ء میں "الجامعہ" شائع ہوا۔ عبدالرزاق ملیح آبادی اس کے مدیر تھے اور مولانا آزاد نگراں تھے۔ اس رسالے کا مقصد بقول عابد رضا بیدار اتحاد اسلامی (پان اسلامزم) اور اتحاد مشرق تھا۔

مولانا آزاد نے ۱۹۲۷ء میں "پیام" کلکتے سے جاری کیا۔ اس کی ادارت کے فرائض عبدالرزاق ملیح آبادی نے انجام دئے لیکن یہ رسالہ بھی چار پانچ ماہ سے زیادہ نہیں چل سکا۔ ۱۰، جون ۱۹۲۷ء کو مولانا آزاد نے دوبارہ "الہلال" جاری کیا لیکن صرف چھ ماہ میں پھر بند ہوگیا۔

---

(۱۱) مضامین البلاغ (مولانا ابوالکلام آزاد) محمود الحسن صدیقی (ص۔۷)

مسلسل سولہ سال تک قید و بند کی حالت نے مولانا آزاد سے ذہنی سکون اور یکسوئی سلب کر لی تھی جو بالآخر صحافت کی دشمن ثابت ہوئی اور اس طرح الہلال کی دوبارہ اشاعت کے ساتھ مولانا کا صحافتی دور بھی ختم ہو گیا۔

مولانا آزاد کے صحافتی ادوار کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات نمایاں طور پر واضح ہوتی ہے کہ ان کی صحافت کا پہلا دور خالص علمی و ادبی خدمات پر مبنی تھا اور اپنی صحافت کے دور ثانی میں انھوں نے "الہلال" اور "البلاغ" کے ذریعے ملک و ملت اور معاشرے کی اصلاح کے ساتھ ہندوستان کے سیاسی مسائل اور مذہبی افکار کی نشر و اشاعت کی۔ در حقیقت مولانا آزاد زبر دست عالم دین، سیاسی مفکر اور عظیم دانشور تھے۔چنانچہ ان کی صحافت بھی ہندوستانی سیاست کی کروٹ کے ساتھ کروٹ بدلتی رہی۔

مولانا آزاد اور صحافت :

صحافت مولانا آزاد کی فطرت ثانیہ تھی۔ابتدائے شعور ہی سے انھوں نے اس فن کو اپنا سب سے پسندیدہ مشغلہ قرار دے دیا تھا۔انھوں نے اردو صحافت کو جو وقار عطا کیا اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔یہ انہی کا کارنامہ ہے کہ اردو صحافت دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے دوش بدوش ہو گئی۔ علامہ شبلی نعمانی نے بجا طور پر ان کے ذہن کو عجائب روزگار میں شمار کیا تھا اور کہا تھا کہ انہیں کسی علمی نمائش گاہ میں بطور ایک عجوبے کے پیش کرنا چاہئے۔

مولانا آزاد میں قدرت نے حیرت انگیز صلاحیتیں ودیعت کر دی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے علم و ادب جن شاخوں کو ہاتھ لگایا اسے منتہائے کمال تک پہنچا دیا۔ادب، مذہب، سیاست، صحافت غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے پر انھوں نے اپنے دوامی نقوش چھوڑ دئے ہیں۔محمد اجمل خان اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں۔

"سیاست کے ساتھ ساتھ مولانا آزاد عالم دین اسلام بھی تھے اور اردو کے انشا پرداز بھی۔وہ جانتے تھے کہ آزاد سیاست کے لئے آزاد صحافت ناگزیر ہے۔ پھر دین ودل کی دنیا میں بغیر آزادیٔ فکر کے قدامت کی زنجیریں نہیں ٹوٹ سکتیں"(۱)

---

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد کے نام ادبی خطوط و جوابات آزاد۔ مرتبہ محمد اجمل خان (ص۔۵)

در حقیقت مولانا آزاد کی آزادیٔ فکر انہیں میدان صحافت میں کھینچ لائی تھی۔اسلامیات پر ان کی گہری نظر تھی۔وہ غلامی کو ذلت تصور کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس ذلت سے نجات دلانا چاہتے تھے۔چنانچہ انہوں نے صحافت کو انقلاب کی آگ میں جلا کر قوم کے لوگوں کے دلوں میں گرمی پیدا کرنے کوشش کی۔ان کی صحافت اپنے زمانے کی جدید ترین،روشن خیال اور پیش بین صحافت تھی۔انہوں نے نہ صرف غیر ملکی تسلط اور جبر و استبداد کے خلاف آواز اٹھائی بلکہ ملک کے اندر پھیلے ہوئے تعصب، تنگ نظری اور استحصال کی بنیادیں بھی ہلا کر رکھ دیں۔

مولانا آزاد کے جملہ خصائص میں ایک خصوصیت یہ بھی شامل ہے کہ وہ بیک وقت ادیب اور صحافی دونوں تھے جو انتہائی مشکل ترین فن ہے اور جس سے ہر کس و ناکس عہدہ بر آ نہیں ہو سکتا۔ یہ مولانا کی عالمانہ انفرادیت تھی جس نے ادب اور صحافت دونوں سے انصاف کیا۔ ان کی صحافت کے عوامی تقاضے ادبی حیثیت پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہوئے اور ادب کے غیر عوامی مطالبات نے ان کی صحافت کو متاثر نہیں ہونے دیا۔دراصل وہ عوام اور خواص دونوں طبقوں کی ذہنیت سے بخوبی واقف تھے۔انہیں اس بات کا علم تھا کہ خواص کا طبقہ پڑھا لکھا ہے۔ لہٰذا عام لب و لہجہ اور سادہ انداز بیان اس گروہ کو متاثر نہیں کر سکتا۔ دوسری طرف وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عوام کو صرف مذہب کے نام پر قربانی کے لئے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مولانا مذہب کے راستے سے چل کر سیاست تک پہنچے اور اپنے سیاسی پیغام کو ادبی پیرائے اور خطیبانہ رنگ و آہنگ میں بذریعہ صحافت لوگوں کو پہنچا دیا۔جواہر لال نہرو نے مولانا آزاد کی صحافتی عظمت اور ان کی شعلہ بیانی کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

"وہ ہندوستانی عوام کے انبوہ کثیر میں یکہ و تنہا حیثیت کے مالک تھے۔ان کے جسم میں ایک بے قرار روح تھی۔ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں جو چنگاری تھی، اسے اپنی تحریروں سے ہوا دے کر انہوں نے شعلہ جوالہ بنا دیا تھا۔"(۲)

مولانا آزاد کی تحریروں نے باوجود مشکل پسندی کے مسلمانوں کے دلوں پر خاطر خواہ اثر ڈالا اور ان کی ذہنی تربیت بھی کی۔خواص اور عوام دونوں مولانا کے اس خطیبانہ اور ادبی پیرایۂ اظہار سے یکساں طور پر متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ "الہلال" لوگوں میں بہت مقبول ہوا اور صحافت

---

(۲) مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم۔(ص۔۴۵۰)

کی دنیا میں آج بھی اس کی تحریریں حرف آخر کا درجہ رکھتی ہیں۔ "الہلال" کی باکمال مقبولیت کا اندازہ مولانا آزاد کے قریبی عقیدت مند مولانا غلام رسول مہر کی تحریروں سے ہوتا ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

"میں گاؤں میں رہتا تھا۔جہاں ہفتے میں تین بار ڈاک آتی تھی۔ الہلال کی آمد کے دن ڈاکیے کی پیشوائی کے لئے جوش اشتیاق میں ڈیڑھ ڈیڑھ میل باہر نکل جاتا۔ جہاں ملتا وہیں سے پرچہ کھول کر پڑھنا شروع کر دیتا اور جو دوست و عزیز ملنے آتے ان سب کو ایک ایک مضمون سناتا۔ یہ الہلال سے عشق و شیفتگی کی ابتدا تھی" (۳)

"الہلال" کی دلچسپ تحریروں نے لوگوں کے دلوں میں مولانا آزاد کی صحافتی عظمت کا سکہ بٹھا دیا۔ان کے دلچسپ اسلوب تحریر و تقریر کی بلند ادبیت اور شان خطابت نے نہ صرف لوگوں کو متاثر کیا بلکہ ان کے ذہنوں کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔وہ ایسی عجیب وغریب طرز تحریر کے موجد تھے ،جس کا حق صرف وہی ادا کر سکتے تھے۔ان کی عظمت اس میں پنہاں تھی کہ وہ صحافت کو اپنے مذہبی اور سیاسی افکار کی نشرو اشاعت کا وسیلہ بنائے ہوئے تھے اور اس کے پیرایۂ اظہار کے لئے اعلیٰ ادبی اسلوب کو اختیار کیا تھا۔ان کی مشکل پسند تحریروں کو انتہائی مقبولیت حاصل ہوئی لیکن ساتھ ہی چند اعتراضات بھی ہوئے کہ انہوں نے عربی و فارسی کے مشکل الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا ،جسے عام لوگ سمجھنے قاصر تھے۔ مالک رام نے ان اعتراضات کا نہایت مدلل اور ٹھوس جواب دیا ہے،جس سے مولانا آزاد کی صحافتی عظمت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

"کئی لوگوں نے ان کی تحریر کی ثقالت اور عربی فارسی کے مشکل الفاظ کی کثرت پر اعتراض کیا ہے۔یہ اعتراض اپنی جگہ درست ہے اور اسے تسلیم کرنا پڑے گا لیکن اس کی توجیہہ بڑی آسان ہے۔بات در اصل یہ ہے کہ "الہلال"میں ان کے مخاطب اہل علم بلکہ طبقہ علماء کے لوگ تھے۔ بیشتر موضوعات بھی انہی اصحاب کی دلچسپی کے تھے۔ایک طرف ان کی اپنی تعلیم کا پس منظر رکھیے اور دوسری طرف ان کے مخاطبوں کے علم و فضل کا معیار، تو لازماً اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ ان مقالات میں انہوں نے جو زبان ولہجہ اختیار کیا، وہی درست تھا۔وہ اس سے آسان زبان لکھنے پر قادر تھے۔" (۴)

---

(۳) مولانا آزاد فکر نظر کے آئینے میں۔ جاوید وشسٹ (ص۔ ۶۱)
(۴) آج کل (نئی دہلی) مولانا آزاد نمبر۔ نومبر ۱۹۸۸ء مولانا آزاد بحیثیت صحافی۔ مالک رام (ص۔ ۸۷)

اس اقتباس کی روشنی میں یہ بات نمایاں طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا آزاد کی تحریروں کی مشکل پسندی ایک ایسی مشکل پسندی تھی کہ جس سے دوسرا شخص عہدہ بر آ نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان کی تحریروں میں ادب کی بلندی اپنی جگہ برقرار رہی ،سیاسی مسائل کا بیان اپنے طور پر ہوتا رہا اور صحافت کا وقار نمایاں طور پر بڑھتا رہا۔

مولانا آزاد نے "الہلال" کے بعد "البلاغ" جاری کیا اور بعد ازاں انھوں نے عبدالرزاق ملیح آبادی کی ادارت میں "پیغام" کے ذریعے اپنی صحافتی خدمات انجام دیں۔یہ وہ دور تھا جب ہندوستانی معاشرت میں لوگوں کا سیاسی شعور کسی حد تک بیدار ہو چکا تھا۔مولانا آزاد نے جب یہ محسوس کر لیا تو "پیغام "میں انھوں نے اپنی ابتدائی مشکل پسند اور خالص ادبی انداز تحریر کے بجائے نہایت سادہ اور عام فہم انداز اختیار کیا۔اس اخبار کا طرز تخاطب خالص عوامی انداز کا تھا۔اس اخبار کی مقبولیت کے بارے میں عبد الرزاق ملیح آبادی لکھتے ہیں۔

"اخبار اس قدر مقبول تھاکہ آج بھی جب اخبار بینی عام ہوچکی ہے ۔لوگوں کو آسانی سے یہ یقین نہیں آئے گا کہ کسی کسی ہفتے تو دس دس ہزار پرچے چھپتے تھے اور اور دیکھتے دیکھتے بازار میں عنقا ہو جاتے تھے ۔ایک پرچے کی قیمت دو آنے تھی لیکن میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ہاکر ایک ایک ،دو دو روپے میں بیچتے تھے اور گاہک تھے کہ ٹوٹے پڑتے تھے" (۵)

در حقیقت مولانا آزاد کی صحافتی عظمت کا تعلق کسی ایک چیز سے نہیں بلکہ ان کی غیر معمولی ذہانت ،منفرد اسلوب تحریر ،خطیبانہ بلند آہنگی ،سیاسی تدبر و تبصر، علمی ومذہبی حکیمانہ تصور اور مجاہدانہ انداز سے تھا۔مشہور مصری ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے بجا طور پر فرمایا تھا کہ ان کی صحافت خوداپنی صحافت تھی ،جسے خود انھوں نے ایجاد کیا تھا اور جو انہی کے ساتھ ختم ہو گئی۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا آزاد حیرت انگیز دماغی صلاحیتوں کے مالک تھے لیکن ان کی خلوت پسند طبیعت نے انھیں عوامی حلقوں کے دائرے میں شامل نہیں ہونے دیا۔وہ اپنی فطری افتاد طبع کی وجہ سے سیاست، صحافت ،ادب غرضیکہ ہر میدان میں خود کوشش کر کے عوامی سطح سے بلند رہے۔ان کی فطری افتاد طبع اور مجدّدانہ صلاحیتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ نیاز فتح پوری یوں رقمطراز ہیں۔

---

(۵) ذکر آزاد (مولانا آزاد کی رفاقت کے اڑتیس سال) عبد الرزاق ملیح آبادی (ص۔۱۰۶)

"مولانا عجیب وغریب دماغی اہلیتیں لے کر پیدا ہوئے تھے جن کو زمانے نے یا خود ان کی خلوت پسند طبیعت نے ابھرنے کا موقع نہیں دیا اور آج ہم انہیں صرف الہلال و البلاغ کی رئیس التحریر یا تذکرہ، ترجمان القرآن اور غبار خاطر کے مصنف ہونے ہی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ صدی کے مجدد ہونے کی تمام صلاحیتیں اپنے اندر رکھتے ہیں" (۶)

مولانا آزاد کی تحریروں میں ان کی انانیت نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے لیکن ان کے نزدیک یہ کوئی عیب نہیں ہے بلکہ ایک مصنف کا منفرد طرز نگارش ہے،جس کا اسے پورا پورا حق حاصل ہے۔یہی وجہ ہے کہ مولانا کے اسلوب تحریر وتقریر میں ان کی انانیت اور انفرادیت کا زبردست اظہار پایا جاتاہے اور واقعہ یہ ہے کہ مولانا کا "ایغو"یعنی"میں" یعنی "انانیت"نے ان کی تحریروں میں خود اعتمادی اور ایقان کی وہ کیفیت پیدا کردی کہ انانیت ان کی تحریروں کا حسن بن گئی اور ان کی تحریروں کا شمار ادب پاروں میں ہونے لگا۔ در اصل وہ بیک وقت ایک بلند پایہ ادیب اور عظیم صحافی تھے۔ انہوں نے انانیت پرستوں سے ہٹ کر اپنی ایک ایسی منفرد راہ نکالی تھی جسے علّامہ اقبالؔ کی خودی سے تعبیر کیا جاسکتاہے ۔ان کی یہی چیز انہیں صحافت میں ممتاز اور ممیّز کر دیتی ہے اور مولانا آزادؔ دیگر صحافیوں سے الگ ہوکر بلند و بالا نظر آتے ہیں ۔رشید احمد صدیقی نے ان کی صحافتی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے بہت جامع الفاظ میں ان کی امتیازی خصوصیات کا تجزیہ کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں۔

"صحافت کو مولانا نے کلاسک کا درجہ عطا کیا ۔مولانا کی تحریر صحافتی نہیں تخلیقی ہوتی تھی ۔نظر حکیمانہ ،انداز خطیبانہ اور آہنگ ملہمانہ۔ ان کی تحریروں، تقریروں نیز ان کے سراپا کا جب کبھی خیال آتا ہے تو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ جیسے ازمنۂ قدیم میں یونان کے کئی رزمیہ نگار مصروف کار ہوں۔ اپنے زمانے اور اپنے دربار میں مولانا یونانی دیوتاؤں سے کم نہ تھے۔"(۷)

مولانا آزادؔ نے صحافت کو کلاسک کا درجہ دے کراسے بڑی عظمت اور بڑا وقار عطا کیا ۔ان کے اس فن کی جانب متوجہ ہونے سے اردو صحافت میں چار چاند لگ گئے ۔حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اردو صحافت کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ بلا شبہ مولانا آزادؔ ایک عظیم صحافی اور صحافت

---

(۶) ابوالکلام آزادؔ ۔ گورنمنٹ آف انڈیا (پبلکیشنز ڈویژن) مولانا آزادؔ کی صحافتی عظمت۔ نیاز فتحپوری (ص۔۴۱)

(۷) مولانا ابوالکلام آزادؔ (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم (ص۔ ۴۵۰)

کے رہبر اعظم تھے ۔ انہوں نے حکومت کے ظلم و ستم اور جبر و استبداد کی مطلق پرواہ نہ کی اور بذریعہ صحافت عالم انسانیت کی بے لوث خدمت انجام دی۔ ان کی وسیع النظری،کشادہ قلبی اور حق و صداقت گوئی بے مثال تھی۔ ظلم و ستم کے خلاف سینہ سپر ہونے کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ ہر مسئلے پر آزادانہ رائے دیتے تھے لیکن اس کی بنیاد صرف منطق اور تجزیہ و استدلال ہی پر نہیں ہوتی تھی بلکہ ان کے علم و ادب اور تجربے پر ہوتی تھی۔ انھوں نے اپنی صحافت کے ذریعے نہ صرف قوم کی بیداری اور ملک وملت کی اصلاح کا کام کیا بلکہ اردو زبان وادب کی بھی خدمت کی اور اسے دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں نمایاں مقام عطا کیا۔

۳. صحافتی نظریہ:

مولانا آزاد ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے صحافتی نظریات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر ادیب تھے لیکن انہوں نے صحافت کو اپنا وسیلہ اظہار بنایا تھا۔ وہ ادب کو صحافت سے الگ تصوّر نہیں کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ زبان کی ترقی کے لئے پہلی چیز اس کی ادبیات (لٹریچر) ہیں اور ادبیات کی نشوونما کے بغیر اعلیٰ درجہ کے رسائل و مطبوعات ممکن نہیں۔ چنانچہ مولانا آزاد نے صحافت اور ادب کو ایک ہی زمرے میں شامل کرکے دیکھا۔ ان کے نزدیک ایک صحافی کی وہی قدر و قیمت تھی جو ایک عالم و ادیب کی ہوتی ہے۔

صحافت مولانا آزاد کی فطرت ثانیہ تھی۔ انھوں نے صرف چودہ سال کی عمر میں "مخزن" میں جو مبسوط اور جامع مقالہ لکھا اس کا تعلق فن اخبار نویسی سے تھا جس میں ان کے صحافتی نظریات کے ابتدائی نقوش بآسانی دیکھے جاسکتے ہیں۔ مولانا آزاد کی زندگی کی ابتدا اسی فن سے ہوئی۔ وہ اس فن کو مقدس پیشے کی اہمیت دیتے تھے اور اسے اپنے عظیم ترین مشن کی تکمیل کا ذریعہ بنانا چاہتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"ہم اخبار نویس کی سطح کو بہت بلندی پر دیکھتے ہیں اور امربالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے والی جماعت سمجھتے ہیں۔" (۱)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا ایک خاص مشن، ایک خاص مقصد اور ایک خاص نظریہ

---

(۱) مولانا آزاد کا نظریۂ صحافت ۔ مرتبہ جناب قطب اللہ (ص ۔ ۱۰)

لے کر وادیٔ صحافت میں داخل ہوئے تھے۔

مولانا آزاد قوم کی بیداری کے لئے اخبارات وجرائد کی اشاعت کو ایک لازمی عنصر قرار دیتے تھے۔ ان کے نزدیک قوم کی بیداری کے لئے اخبار موثر ترین ذریعہ ابلاغ و ترسیل تھا۔ انھوں نے انتہائی غور و فکر کے بعد مستقبل کا لائحہ عمل تیار کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندوستان میں رائے عامہ کی تعمیر کے لئے ایک جریدہ نکالنا ضروری ہے۔ چنانچہ انھوں نے نیک نیتی سے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اپنا اخبار جاری کیا۔

مولانا آزاد اخبار نویسی کو تجارتی مقصد نہیں بلکہ مقدس کام تصوّر کرتے تھے۔ ان کے نزدیک اخبار کا مقصد قوم اور انسانیت کی خدمت ہے، اخبار تجارت نہیں جو دھن دولت اور شہرت کی لالچ میں کیا جائے۔ مولانا نے اپنے اس قول کو عملی طور پر ثابت کر کے بھی دکھایا۔ ''الہلال'' کی اشاعت کے سلسلے میں انہوں نے ایک رئیس کی طرف سے خطیر رقم کا چیک بطور اعانت بھیجے جانے پر شکریہ کے ساتھ یہ کہہ کر واپس کردیا تھا۔

''ہمارے عقیدے میں جو اخبار اپنی قیمت کے سوا کسی انسان یا جماعت سے کوئی اور رقم لینا جائز رکھتا ہو وہ اخبار نہیں بلکہ اس فن کے لئے دھبہّ اور سر تاسر عار ہے۔'' (۲)

مولانا آزاد جانتے تھے کہ اس طرح کی مدد آزادیٔ فکر کا گلا گھونٹ سکتی ہے اور وہ کسی بھی قیمت پر اس متاع گراں بہا کو کھونا نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ صحافت کو صور اسرافیل گردانتے تھے جس سے سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرنا ہے۔ ان کے صحافتی نظریات کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی صحافتی زندگی کے دوران کبھی بھی کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا۔ وہ مصلحت پسندی کی صحافت کے قائل ہی نہیں تھے۔ ان کا قول تھا کہ حق بات کہتے چلے جاؤ، چاہے سننے والا ایک بھی نہ ہو۔

مولانا آزاد اخبار نولیس کے قلم کی بے باکی پر بہت زور دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ صحافت کو کسی طرح کے دباؤ میں نہیں آنا چاہیے اور اخبار نولیس کے خیالات میں کسی دوسرے کا دباؤ یا عمل دخل ہرگز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس سے نہ صرف ایک قوم بلکہ پوری عالم انسانیت کو نقصان پہنچتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

---

(۲) مولانا آزاد کا نظریۂ صحافت ۔ مرتبہ قطب اللہ (ص۔ ۱۰)

"اخبار نویس کو قلم کے ہر طرح کے دباؤ سے آزاد ہونا چاہئے اور چاندی سونے کا تو سایہ بھی اس کے لئے سمّ قاتل ہے۔ جو اخبار نویس رئیسوں کی ضیافتوں اور امیروں کے عطیوں کو قومی اعانت، قومی عطیہ اور اسی طرح کے فرضی ناموں سے قبول کرلیتے ہیں، وہ بہ نسبت اس کے کہ اپنے ضمیر اور نور ایمان کو بیچیں، بہتر ہے کہ دریوزہ گری کی جھولی گلے میں ڈال کر قلندروں کی کشتی کی جگہ قلمدان لے کر رئیسوں کی ڈیوڑھیوں پر گشت لگائیں اور ہر گلی کوچہ "کام اڈیٹری کا" کی صدا لگا کر خود اپنے تئیں فروخت کرتے رہیں۔" (۳)

اس اقتباس سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ مولانا آزاد داعیٔ حق تھے۔ وہ صحافت کو نفع بخش کاروبار نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے ایک خاص مشن اور نظریے کے تحت دنیائے صحافت میں قدم رکھا تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس راستے میں خلش و اضطراب کے سوا کچھ نہیں لیکن وہ اپنے دل کے سوز و درد کو قوم کے لوگوں میں منتقل کرنا چاہتے تھے اور اخبار نویسی کے ذریعے انسانیت کی خدمت کرنا چاہتے تھے۔

مولانا آزاد چونکہ ایک خاص صحافتی نظریہ لے کر اس میدان میں داخل ہوئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اخبار نویسی کے ہر پہلو کا باریکی سے مشاہدہ کیا۔ کیونکہ ان کے زمانے میں پنجاب اور یوپی وغیرہ سے جو اخبارات شائع ہورہے تھے، مولانا کے نزدیک ان اخبار کا معیار بہت پست تھا نیز ان کی طباعت اور شکل وصورت بھی ذوق سلیم پر گراں گذرتی تھی۔ مولانا اخبار کو جدید ترین تکنیک سے مزیّن کرنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک لیتھو چھپائی قابل اطمینان نہیں تھی۔ انہوں نے اردو اخبار کو لیتھو پرنٹنگ کی خرابی سے آگاہ کیا اور اخبارات کے گٹ اپ، طباعت اور تزئین کاری پر زور دیا۔ عبدالماجد دریا بادی مولانا آزاد کے "الہلال" کی طباعت اور تزئین کاری پر روشنی ڈالتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

"۱۹۱۲ء میں "الہلال" افق کلکتہ سے طلوع ہوا۔۔۔ اس نے اردو صحافت کی جیسے دنیا ہی بدل دی۔ صورت و سیرت، مغز و قالب میں اپنے پیش رو اور معاصر ہفتہ واروں سے بالکل مختلف اور کہیں زیادہ شاندار اور جاندار۔ چھپائی، کاغذ، تصویریں، سب کا معیار اعلیٰ۔" (۴)

---

(۳) مولانا آزاد کا نظریہ صحافت۔ مرتبہ جناب قطب اللہ (ص۔۷)

(۴) اردو کی ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ۔ ابو سلمان شاہجہاں پوری (عبدالماجد دریا بادی) (ص۔۳۲)

در اصل مولانا آزاد قارئین کا بہت خیال کرتے تھے اور ان کے ذوق صحیح کو تسکین پہنچانا چاہتے تھے۔ اخبار میں تزئین کاری اور گٹ اپ سے ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اخبار کی طرف متوجہ ہوں۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ مولانا آزاد اخبار کو دلکش طباعت، تصاویر اور نقشوں وغیرہ سے صرف اسے جاذب نظر ہی نہیں بنانا چاہتے تھے بلکہ اس کی خبروں اور مضامین کی اعلیٰ معیاری پر بھی بہت زور دیتے تھے۔ ان کے نزدیک اخبار ظاہری اور معنوی اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہیے، تبھی وہ قبول عام کا درجہ پا سکتا ہے اور انسانیت کی خدمت کر سکتا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں۔

" الہلال سے عوام کی انسیت کی وجہ سے صرف یہی نہیں تھی کہ اس کی طباعت بہت ہی شاندار تھی بلکہ نئی قومیت کی تعلیم و تبلیغ میں اس کے زبردست اور گراں قدر مضامین بھی تھے۔ "الہلال" کی مانگ اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اوّلین تین مہینوں میں اس کی پچھلی تمام اشاعتوں کو دوبارہ چھاپنا پڑا کیونکہ ہر نیا خریدار اس کے پچھلے تمام پرچے طلب کرتا۔" (۵)

مولانا کے اس اقتباس سے واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اخبار کے معیاری ہونے کی پر زور تائید کرتے تھے۔ وہ قارئین کو اس طرح کا مواد فراہم کرنا چاہتے تھے کہ ان میں کسی قسم کی تشنگی باقی نہ رہے۔ پروفیسر محمود الٰہی "الہلال" کے مضامین پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"الہلال میں جو تبصرے شائع ہوتے تھے وہ کسی ایک موضوع سے متعلق نہیں ہوتے تھے۔ اس میں مذہب سے لے کر طب تک اور زبان و ادب سے لے کر سیاست تک متعدد ملکی اور غیر ملکی کتابوں اور رسالوں پر تبصرے شامل ہوتے تھے۔" (۶)

مولانا آزاد صحافت کو معمولی چیز نہیں بلکہ عوام میں انقلاب برپا کرنے کا ایک طاقتور وسیلہ تصور کرتے تھے۔ وہ غیر معیاری اخباروں کی بہت مذمت کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ علم و ادب اور قوم کی اجتماعی ذہن و فکر کی ترقی بلند پایہ معیاری اخباروں کے ذریعے ہی ممکن ہوسکتی ہے۔ "مخزن" میں انہوں نے کہا تھا۔

"نہ صرف علم و ادب کی ترقی کے لئے بلکہ قوم اور اجتماعی زندگی کی نشوونما کے لئے بھی

---

(۵) مولانا ابوالکلام آزاد ۔ شخصیت اور کارنامے۔ مرتبہ خلیق انجم۔ مولانا آزاد کا صحافتی نظریہ ۔ رضوان احمد (ص۔۴۴)
(۶) الہلال کے تبصرے۔ پروفیسر محمود الٰہی (ص۔۸)

ان کا (پریس و مطبوعات کا) وجود ناگزیر ہے۔ علم و ادب کی صحیح ترقی کے اندر ہی اجتماعی ذہن و فکر کی ترقی ہے۔ جیسی جیسی اس کی سطح بلند ہوگی اتنی ہی قومی زندگی کی سطح بلند ہوتی جائے گی۔"(۷)

مولانا آزاد صحافت کو انسانوں کی اخلاقی نشوونما اور معاشرتی اصلاح کی بہبود کا وسیلہ خیال کرتے تھے۔ ان کے نزدیک اجتماعی ذہن و فکر کی تشکیل کے لئے اخبار کی زبان اور اسلوب دلچسپ اور پر تاثیر ہونی چاہیے جو قلب پر تیر کی طرح بیٹھ جائے۔ مولانا کی تحریروں میں یہ خصوصیات نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ ان کے دلکش، مدلل اور دلچسپ اسلوب بیان کو سراہتے ہوئے نیاز فتح پوری لکھتے ہیں۔

"جب ہم الہلال پڑھتے ہیں تو ایسا محسوس کرتے ہیں کہ کوئی شخص کسی بلند منارہ پر کھڑا ہو کر پرجوش خطبہ دے رہا ہے اور ایک بے پناہ ذخیرۂ الفاظ اس کے پاس ہے جسے وہ موتیوں کی طرح بکھیرتا جارہا ہے۔" (۸)

مولانا آزاد صحافت میں دلچسپ اسلوب بیان کے حامی تھے تاکہ قارئین اس سے محظوظ ہوں اور اخبار بینی سے انھیں دلچسپی پیدا ہو۔ وہ صحافت میں دلچسپ اسلوب بیان، عمدہ طباعت اور اعلیٰ مواد کے ساتھ پر تاثیر مضامین کی حمایت بھی کرتے تھے جو قارئین کے دلوں پر اپنا گہرا اور دیرپا نقش ثبت کردیں، جس سے انسانی ذہن و فکر کی ترقی ہوسکے۔ جواہر لال نہرو مولانا آزاد کے قریبی دوستوں میں سے تھے وہ مولانا کے صحافتی نظریات کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مگر ان کے (مولانا آزاد کے) صحافتی مضامین تاثراتی یا وقتی نہیں تھے، وہ ماورائے عصر تھے۔ انکے معانی اس وقت کچھ اور تھے، آج کچھ اور ہیں۔ ان کی پرتیں جس قدر کھولی جاتی ہیں اتنے ہی جہان معانی منکشف ہوتے جاتے ہیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ ان کی چمک ماند پڑنے والی نہیں ہے۔" (۹)

صحافت کی خارزار وادی میں مولانا آزاد کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ لوگوں کے طنز و تضحیک کا نشانہ بھی بنے، مسلمانوں کی دشنام طرازیاں بھی انھیں سہنی پڑیں اور

---

(۷) مولانا ابوالکلام آزاد۔ شخصیت اور کارنامے۔ مرتبہ خلیق انجم۔ مولانا آزاد کا صحافتی نظریہ۔ رضوان احمد (ص۔۴۴۲)
(۸) ابوالکلام آزاد۔ گورنمنٹ آف انڈیا ۱۹۵۷ء مولانا آزاد کی صحافتی عظمت۔ نیاز فتح پوری (ص۔۵)
(۹) آج کل (ماہنامہ) دہلی، مولانا آزاد نمبر۔ نومبر ۱۹۸۸ء (ص۔۹۶)

حکومت بھی ان کی آواز خاموش کرنے کے درپے ہوگئی لیکن مولانا آہنی عزم کے مالک تھے، انہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی اپنی صحافتی زندگی میں کبھی مصلحت کے تحت سمجھوتہ نہیں کیا۔ اس کے برعکس ان کی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے اپنی تحریروں سے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا، کسی کی دل آزاری نہیں کی اور کسی کا مذاق نہیں اڑایا۔ انہوں نے صحافت کو ہمیشہ ذاتیات سے پاک رکھا۔ ان کے نزدیک فرد سے زیادہ قوم اور جماعت اہم تھی۔ وہ کہتے تھے۔

"میرے بھائی فرض کیجئے کہ ایک شخص بدترین خلائق ہے۔ اب اگر آپ کا نفس مضطرب ہے، زبان قابو میں نہیں تو شوق سے اسے گالی دے لو۔ اس طرح آپ اپنے غصے کی تسکین کر لوگے لیکن آپ کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ آج تک کسی شخص نے بھی دوسرے کو گالی دے کر اپنی عزت میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔" (۱۰)

مولانا آزاد دوسرے اخباروں کی طرح ذاتیات پر کیچڑ اچھالنے کی پالیسی پر عمل کر کے سستی شہرت حاصل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے نظریات سے اختلاف کرنے کو تیار نہیں تھے اور ہندوستان کے لوگوں کے سامنے اعلیٰ صحافت کا نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے۔ صحافت کو وہ تجارت نہیں بلکہ عبادت و ریاضت تصور کرتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"اگر میرے تمام کام محض ایک تجارتی کاروبار یا تاجرانہ مشاغل ہیں جن میں قومی خدمت اور ملت پرستی کے نام سے گرم بازاری پیدا کرنا چاہتا ہوں تو قبل اس کے کہ میں اپنی جگہ سنبھل سکوں، وہ میری عمر کا خاتمہ کردے اور میرے تمام کاموں کو ایک دن بلکہ ایک لمحے کے لئے بھی کامیابی کی لذت نہ چکھنے دے۔" (۱۱)

مولانا آزاد کی یہ تحریر اس بات کی پرزور دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے اپنی صحافت کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک کھا اور بے غرض ہو کر ملک و ملت کی خدمت کی۔ درج بالا تحریر ان کی بے لوث خدمت اور ایثار کا بے مثل نمونہ ہے جس سے ان کے صحافتی نقطۂ نظر پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ مولانا آزاد کے صحافتی نظریات کی بنیاد سرسید احمد خان،

---

(۱۰) مولانا ابو الکلام آزاد (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم مولانا آزاد کا صحافتی نظریہ۔ رضوان احمد (ص۔۴۴۶)

(۱۱) ایضاً (ص۔۴۴۷)

جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ وغیرہ سے مستعار ہیں لیکن یہ خیال ایک طرفہ اور غیر معروضی ہے۔ مولانا ان معتبر شخصیتوں سے متاثر ضرور تھے لیکن انہوں نے اپنا راستہ خود تلاش کیا تھا۔

درحقیقت مولانا آزاد کے دل میں جذبہ حب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ان کے معاصرین ملکی حالات سے چشم پوشی کرکے عالم اسلام کے مسائل پر اپنا سارا زور قلم صرف کررہے تھے لیکن مولانا کے پیش نظر مسلمانوں کی بیداری اور ملک کی آزادی تھی۔ سرسید احمد خان کی تحریک نے ہندوستانی مسلمانوں کو انگریزوں سے مصلحت کے تحت وفاداری کا درس دیا تھا۔ مولانا کو سرسید احمد خان سے بے پناہ عقیدت تھی لیکن وہ ان کے نظریات سے متفق نہیں تھے۔ انہوں نے دو رخی قومی نظریہ اپنانے سے انحراف کیا اور سرسید تحریک کے برعکس مسلمانوں کو جدوجہد آزادی میں انگریزوں کے خلاف حصہ لینے کی کھلے عام دعوت دی اور اسے دینی فریضہ بتایا۔ وہ لکھتے ہیں۔

"میں اپنے کاموں سے غافل نہیں تھا۔ الہلال میں جو کچھ لکھ رہا تھا، اس کو ایک لمحے کے لئے بھی اپنی ہمتوں اور عزموں کا اصلی مصرف نہیں سمجھا بلکہ ہمیشہ کسی اور مقصود حقیقی کی طرح جانے کے لئے ایک وسیلہ و ذریعہ یقین کیا۔" (۱۲)

مولانا آزاد حیرت انگیز بصیرت کے مالک تھے۔ ماضی کی عظمت ان کے دل میں تھی، موجودہ حالات پر بھی ان کی نظر تھی اور مستقبل کی نبض پر بھی ان کا ہاتھ تھا۔ مذکورہ عبارت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے خیالات و نظریات حالات کے پیدا کردہ تھے اور ان کے اپنے تھے۔ صحافت سے متعلق ان کا واضح نقطہ نظر تھا۔ چنانچہ البلاغ میں لکھتے ہیں۔

"میرے تمام کاموں کی بنیاد تبلیغ ہے نہ کہ تجارت۔۔۔ میری اخبار نویسی کو تم اخبار نویسی قرار نہ دو کیونکہ میں نے اسے ضمناً اختیار کیا ہے اور وہ میرا اصلی کام نہیں ہے۔ میں نے اگر اسے اختیار کیا تو یہ ہندوستان کی اخبار نویسی اور مطبوعہ اشاعت کے لئے بہتر ہوا اور اس کے لئے ترقی کی ایک بالکل نئی راہ کھلی۔"(۱۳)

ان اصولوں کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ مولانا آزاد نے اپنی صحافت سے تبلیغ کا کام لیا

---

(۱۲) مقالات ابوالکلام آزاد۔ مولانا ابوالکلام آزاد (ص۔ ۱۵۹)

(۱۳) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ۔ ابوالکلام آزاد نمبر۔ اگست ۱۹۸۹ء مولانا آزاد کا علمی تبحر۔ خلیق احمد نظامی (ص۔۳۵)

اور اپنے اخبارات کو سماج کا آئینہ دار بنادیا۔ وہ اپنے صحافتی اصولوں پر مضبوطی سے کار بند رہے۔ انھوں نے اپنی صحافت کو قومی بیداری اور معاشرے کی اصلاح کے لئے وقف کردیا اور اس کے ذریعے امربالعروف اور نہی عن المنکر کا کام لیا۔ مسلمانوں کی کمزوریوں، کوتاہیوں، غفلتوں اور مایوسیوں کو دور کرکے ان کی مذہبی اور سیاسی حالت میں حرکت پیدا کردی۔ اپنی صحافت کے ذریعے انہوں نے جدید ترین علوم کی اشاعت کی اور ہندوستانی عوام کی فکر و نظر میں تبدیلی پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں کیں۔ مولانا آزاد خود تحریر فرماتے ہیں۔

"یہی وہ دین مقصود ہے جس کے فراق میں ۱۹۱۱ء سے مسلسل فغاں سنجی کررہا ہوں اور جس کے لئے میں نے الہلال مرحوم کے صفحات کو کبھی اپنے چشم خونیں کے آنسوؤں سے رنگا ہے اور کبھی اس کے سواد وحروف کے اندر اپنے دل و جگر کے ٹکڑے بچھادئے ہیں۔ خدا کی قسم کوئی صبح مجھ پر ایسی طلوع نہیں ہوئی جب اس مقصد کی طلب سے میرا دل خالی ہوا ہو اور کوئی شام ایسی نہیں گذری جب میں نے اس تمنا میں اپنے بستر غم و اندوہ میں بے قراری کی کروٹیں نہ لی ہیں۔" (۱۴)

مذکورہ اقتباسات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے صحافتی نظریات و خیالات کسی سے مستعار نہیں تھے بلکہ انھوں نے اپنی راہ خود ہی نکالی تھی۔ البتہ الہلال میں انھوں نے صحافت کے سائنٹیفک اصول ضرور اپنائے جس کا اعتراف انہوں نے خود کیا ہے۔ لیکن صحافتی نقطہ نظر ان کا اپنا تھا۔ پاکستان کے ڈاکٹر عبدالسلام خورشید مولانا آزاد کی صحافتی رہنمائی اور ان کی صحافتی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

"الہلال میں مذہب، سیاست، معاشیات، نفسیات، جغرافیہ، تاریخ، عمرانیات، سوانح، ادب اور حالات حاضرہ پر اعلیٰ معیار کے مضامین اور فیچر چھاپے گئے۔ گویا مولانا نے آنے والوں کو راستہ دکھایا کہ یوں بھی ہوسکتا ہے۔ ان کے اخبار میں اعلیٰ ترتیب و تزئین، ٹھوس مقالوں اور تصاویر کے لحاظ سے صحافتی تکنیک میں زبردست ترقی کا مظہر تھا۔ انھوں نے اردو صحافت میں ایک ایسے خطیبانہ اسلوب کو رواج دیا جو آج بھی مفید اور موثر ہے۔" (۱۵)

---

(۱۴) مولانا ابوالکلام آزاد۔ (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم۔ مولانا آزاد کا صحافتی نظریہ۔ رضوان احمد (ص۔۴۴۴)

(۱۵) کتاب نما (ماہنامہ۔ دہلی) ستمبر ۱۹۸۹ء شاہد علی خان (ص۔۹)

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا آزاد کی حیثیت میدان صحافت میں محض ایک صحافی کی نہیں بلکہ ایک عظیم رہنما کی ہے۔ انھوں نے صحافت میں عمدہ طباعت اور اعلیٰ مواد کا ایسا معیار قائم کیا کہ آج ۸۶ برس گذر جانے کے باوجود بھی اردو صحافت ان معیاروں سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ مولانا آزاد کے صحافتی نظریات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صحافتی بے راہ روی سے سخت متنفر تھے۔ وہ اخبار کو تجارت اور سستی ناموری حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ رائے عامّہ کی تعمیر کی ذمہ داری کا اہم وسیلہ تصور کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ صحافی پر قارئین کے متوازن دل و دماغ کی نشوونما کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ تقسیم کے بعد ہندوستانی مسلمانوں پر بہت سے زخم لگائے گئے ہیں۔ مولانا آزاد نے اخبار نویسوں کو یہ نصیحت کی تھی کہ وہ اپنے ذہنی توازن کو برقرار رکھتے ہوئے ان جراحتوں پر چیخنے اور چلانے کے بجائے ان کا تجزیہ کریں جو تقسیم کے بعد مسلمانوں کے حصے میں آئی ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ بے جا جذباتیت سے دامن بچا کر اعتدال و توازن کی راہ اختیار کرکے صحافت نگار مسلمانوں کے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔

بد قسمتی سے آزادی کے بعد اردو صحافت کو درپیش صورتحال خصوصیت سے تکلیف دہ بھی ہے اور اس کی شاندار روایت کے خلاف بھی۔ کیونکہ آج مولانا آزاد جیسی جامع کمالات اور جامع صفات شخصیت ہی نہیں جن کے قلم سے پھوٹنے والے شراروں نے فرنگی سامراج کے خلاف فلیتے کا کام لیا، مسلمانوں کو خواب گراں سے بیدار کیا اور اردو زبان کی نشر و اشاعت بھی کی۔ دراصل آج کا اخبار نویس ادیب نہیں ہے اور آج کا ادیب صحافت سے دور ہوتا جارہا ہے۔ نتیجے کے طور پر ادب اور صحافت میں خلیج بڑھتی جارہی ہے۔ اگر آج بھی مولانا آزاد کے صحافتی نقطہ نظر کو پیش نظر رکھ کر اخبارات و رسائل جاری کئے جائیں تو بلاشبہ وہ کامیابی کی منزلوں سے ہمکنار ہونگے۔ آج مسلم معاشرے کی معاشی و اخلاقی بدحالی کو مدّنظر رکھ کر ان کے اجتماعی ذہن و فکر کی تعمیرو تشکیل کے لئے موجودہ اخبارات و رسائل کو مولانا کے قائم کردہ صحافتی اصولوں کی اشد ضرورت ہے۔